شریعت کا نفاذ، ہماری منزل

حسن البنا شہیدؒ○

یہ ایک طویل مکتوب کا ترجمہ ہے، جو حسن البنا شہیدؒ نے ۱۹۳۷ء میں مصر کے وزیر قانون کے نام تحریر کیا تھا۔ پاکستان میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کرنے یا اس مقصد سے ہمدردی رکھنے والے افراد اس خط کو بالکل آپ بیتی محسوس کریں گے۔ حتیٰ کہ اس میں دوچار جگہ جہاں 'مصر' کا لفظ اگر 'پاکستان' کے لفظ سے بدل دیں تو یہ یوں لگتا ہے کہ یہ داستان مصر نہیں بلکہ پاکستان سے متعلق ہے۔ ادارہ

ہم اس بات پر مکمل طور پر یقین رکھتے ہیں کہ ہماری قوم کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر گوشے میں اسلام کی تعلیمات و ہدایات کا اِتباع کرے۔ اس کے حق میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔ آپ کے سامنے ان دلائل کے دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ الحمدللہ آپ اس نظریے کے خود بھی قائل ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا اوّلین اور اہم ترین شعبہ قانون ہے۔ اس وقت ہم اور آپ میدانِ عمل میں ہیں اور ہمارے لیے ناگزیر ہے کہ ہم حقائق کا سامنا کریں۔

آج وزارتِ قانون کا قلم دان آپ کے ہاتھ میں ہے اور آپ اس بات کا اختیار رکھتے ہیں کہ تمام مسلمانوں کی اُن تمناؤں اور آرزوؤں کو بارآور کریں، جن کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے پر آمادہ ہیں۔ مسلمان یہ چاہتے ہیں کہ مصر کے قانون اور عدالتی نظام کو اسلامی شریعت کی بنیادوں پر استوار کیا جائے۔ چونکہ آپ بھی ایک دائرے میں رعیت کے راعی ہیں، اس لیے اس سلسلے میں آپ اللہ اور عوام کے سامنے جواب دہ ہیں۔

○حسن البنا شہیدؒ (شہادت: ۱۲ فروری ۱۹۴۹ء) مؤسس و مرشد عام الاخوان المسلمون/ عربی سے ترجمہ: طٰہٰ یاسین

اس قوم کے افراد جب یہ دیکھتے ہیں کہ اس ملک میں اللہ کے قانون کے خلاف فیصلے کیے جاتے ہیں، تو وہ اپنے دلوں میں سخت تنگی محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح کے حالات میں صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک جاتا ہے اور اندر ہی اندر جو لاوا پک رہا ہوتا ہے وہ بسا اوقات پھوٹ نکلتا ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک تصادم کی صورت اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب کہ ایک قوم کا ذہن حق کے حصول اور باطل کے نظریات پر اصرار کی آماج گاہ بن جاتا ہے۔ ہمارے موجودہ ملکی قوانین اور اسلام کے قوانین ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں جا بجا ایک دوسرے سے ٹکراتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اہلِ وطن کے دل و دماغ میں ایک اضطراب اور بے چینی رُونما ہو رہی ہے، اور وہ اس تضاد کو بُری طرح محسوس کر رہے ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آپ مسلمانوں کو قوانین کی بے احترامی اور خلاف ورزی پر مجبور نہ کریں اور حالات کو بدلنے کی کوشش کریں۔ آیئے، ہم اللہ کے حضور میں حاضر ہوں اور اس بارے میں اُس کے ارشادات کو سنیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان نہیں ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۶۵ (النساء ۴:۶۵) پس نہیں، تیرے ربّ کی قسم! وہ نہیں ایمان لاسکتے جب تک کہ وہ تجھے حَکم نہ بنالیں اپنے متنازعہ فیہ معاملات میں، پھر وہ اپنے دلوں میں تنگی بھی نہ محسوس کریں تیرے فیصلے پر اور سرِتسلیم خم نہ کردیں۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ۝۴۹ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ۝۵۰ (المائدہ ۵:۴۹-۵۰) اور یہ کہ تم فیصلہ کرو اُن کے مابین اُس کے مطابق جسے اللہ نے اُتارا ہے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو اور اُن سے چوکنے رہو اور تمھیں بہکا دیں تم پر اللہ کے نازل کردہ بعض احکام سے۔ اگر وہ منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ انھیں ان کے بعض گناہوں پر عذاب دینا چاہتا ہے۔ اور یقیناً لوگوں میں بہت سے فاسق ہیں۔ کیا وہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور کون ہے بہتر اللہ سے فیصلے میں یقین رکھنے والوں کے لیے۔

مذکورہ بالا آیات سورۂ مائدہ کے جس رکوع سے لی گئی ہیں، وہ سارا اسی موضوع پر ہے۔ اس کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلے نہ کریں وہی کافر ہیں، وہی ظالم ہیں، وہی فاسق ہیں:

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَاۤ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّـلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ (النساء۴:۱۰۵) ہم نے نازل کی ہے تم پر کتاب حق کے ساتھ تاکہ تم فیصلہ کرو لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق جو تمھیں اللہ نے دکھایا ہے اور خائنوں کے طرف دار نہ بنو۔

یہ تو ہیں کُلّی اورعمومی احکام، لیکن ان کے علاوہ قرآن میں بہت سے تمدنی، تجارتی، فوجداری، بین الملّی اور اسی نوعیت کے دوسرے احکام ہیں، جو جزئیات سے متعلق ہیں اور ان کی مزید تفصیل وتائید احادیث میں ملتی ہے۔ ان تمام احکام کی غرض یہی ہے کہ مسلمان ان پر عمل پیرا ہوں اور اپنے تنازعوں کا فیصلہ ان کے مطابق کریں۔ اب اگر آپ اپنے ملک کے دستور اور قانون پر نگاہ ڈالیں، تو آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ اُن کا مآخذ اور سرچشمہ کتاب وسنت نہیں بلکہ یورپی ممالک (بلجیم، فرانس، اٹلی وغیرہ) کے دساتیر وقوانین ہیں۔ یوں ہمارا دستور وقانون، کلیات کے اعتبار سے بھی اور جزئیات کے لحاظ سے بھی، اسلام سے صریح طور پر متصادم اور برعکس ہے۔ اب غور کیجیے کہ اگر ایک مسلمان کے سامنے ایسا معاملہ آتا ہے جس کا فیصلہ اسلام کی رُو سے کچھ اور ہے، اور موجودہ قانون کی رُو سے کچھ اور، تو اُس وقت وہ مسلمان کون سا موقف اختیار کرے گا؟ پھر غور کیجیے کہ اس ملک کے مجسٹریٹ، جج، چیف جسٹس اور وزیر قانون وعدل کے لیے احکم الحاکمین کے احکام کی مخالفت کیسے جائز اور حلال ہوگی؟

میں آپ سے پُرزور درخواست کرتا ہوں کہ آپ اس تضاد اور دورنگی کو دُور کریں۔ ہمیں اس کرب وبلا سے نجات بخشیں اور اعمال اور عقائد کے اس ٹکراؤ کو ختم کریں۔ یہ چیز میرے علم میں ہے کہ بکثرت مسلمان اپنے جائز جانی ومالی حقوق سے دست بردار ہوجاتے ہیں اور بہت سے نقصانات کو محض اس لیے گوارا کرلیتے ہیں کہ وہ ایسی عدالت اور ایسے جج کے سامنے جانا حرام سمجھتے ہیں، جو خلافِ شریعت فیصلے صادر کرے۔ اس صورتِ حال کے نتائج بڑے خوفناک ہیں اور

اللہ اپنے محاسبے میں بڑا سخت گیر ہے۔ میرا یہ فرض ہے کہ آپ کو توجہ دلاؤں اور یاد دہانی کراؤں۔ اللہ کے سامنے عُذرات کچھ کام نہیں آئیں گے۔ اللہ کی نظر اعمال پر بھی ہے اور نیتوں پر بھی!

یہ تو اس معاملے کا باطنی پہلو ہے، جس کا تعلق ہمارے ایمان اور عقیدے سے ہے۔ لیکن اگر قانون کے خالص ظاہری نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تب بھی ملکی و غیر ملکی، مسلم و غیر مسلم دونوں قسم کے ماہرین قانون نے اعتراف کیا ہے کہ اسلامی شریعت، قانون سازی کا ایک نہایت شاداب، جامع اور بیش قیمت ذخیرہ ہے۔ فرانس کے متعدد قانون دانوں نے اپنی قوم کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے قوانین میں اسلامی شریعت کے مطابق ترمیم کریں اور کئی بین الاقوامی اجتماعات میں قانون سازوں نے اسلامی قوانین کی تعریف کی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ شریعت کی تعلیمات، قانون سازی کے بارے میں ہر طرح سے تقاضے پورے کرتی ہیں۔

یورپ کے غیر اسلامی قوانین کو ہم مصر میں ایک مدت تک برت کر دیکھ چکے ہیں۔ ان کا حاصل جرائم کی کثرت اور اضافے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سنگین وارداتیں چاروں طرف رُونما ہو رہی ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ موجودہ قوانین ہمارے امراض کا علاج نہیں ہیں اور ہمارے ماحول اور قومی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔ دوسری طرف مسلمانوں کے جن چند ممالک میں شرعی قوانین نافذ ہیں، وہاں ملک کے امن و اخلاق پر ان کے اچھے نتائج مترتب ہو رہے ہیں۔ کیا سرزمینِ مصر کو اس کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ بھی اسلامی قوانین کی برکات سے استفادہ کر سکے؟

● **شبہات و اعتراضات:** یہ مسئلہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بالکل واضح ہے، تاہم کچھ لوگ ہیں جو نیک نیتی یا بدنیتی کی بنا پر اس اصلاح کے راستے میں حائل ہیں اور عموماً چند شبہات پیش کرتے ہیں:

○ ان میں سے پہلا شبہہ یہ ہے کہ: ''مصر میں کچھ غیر مسلم اقلیتیں ہیں۔ اگر یہاں اسلامی احکام نافذ کر دیے جائیں تو اس سے اُس مذہبی آزادی میں مداخلت واقع ہو گی، جس کی دستوری طور پر ضمانت دی جا چکی ہے اور اگر غیر مسلموں کو ان احکام سے مستثنیٰ قرار دیا جائے تو یہ حقوقِ شہریت میں ایک ناپسندیدہ امتیاز ہو گا، جس سے ہم چھٹکارا حاصل کر چکے ہیں''۔ اس شبہے کے دو اجزا ہیں۔ اگر ملک میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں تو اس سے مذہبی آزادی پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ دستور

میں اقلیتوں کو جس چیز کی ضمانت دی جاتی ہے، وہ عقیدہ، عبادت، شعائر اور شخصی حقوق کی آزادی ہے۔ ملکی قانون بہرحال اکثریت کی مرضی کا آئینہ دار اور ان کے نظریات کا مظہر ہوتا ہے۔ اس بارے میں اقلیت کو اکثریت کی بات مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔

یورپی اقوام اس بات پر فخر کا اظہار کرتی ہیں کہ وہ شخصی حقوق کا بہت احترام کرتی ہیں اور جمہوریت کی علَم بردار ہیں۔ لیکن وہ بھی اپنی اقلیتوں کے ادیان وعقائد کا لحاظ کیے بغیر اپنی منشا کے مطابق قوانین وضع کرتی ہیں۔ فرانس، برطانیہ، جرمنی وغیرہ میں ایک فرد خواہ پناہ چاہنے والا ہو، خواہ اس کا تعلق ایسی اقلیت سے ہو جس کا دین اکثریت کے دین سے مختلف ہے، وہ ملک کے قانون کی پابندی کرتا ہے۔ اس کے بغیر جمہور کی آزادی اور داخلی وخارجی استقلال متحقق نہیں ہوسکتا۔ اگر غیرمسلم اپنے شخصی معاملات میں فیصلے اپنے پرسنل لا کے مطابق کریں اور بقیہ معاملات میں قانونِ موضوعہ پر عمل کریں، تو اس سے کوئی ایسا امتیاز نہیں پیدا ہوتا جو کسی خدشے یا اعتراض کا موجب ہوسکے۔

ہم کسی غیرمسلم کو اس امر پر مجبور نہیں کرتے کہ وہ اپنے پرسنل لا کی پابندی کرے، بلکہ ہم اس کا انتظام اُس کی اپنی خواہش اور مرضی کی بنا پر کرتے ہیں۔ اس سے مقصود کوئی ناروا پابندی یا حق تلفی نہیں ہے۔ دوسری طرف اگر ہم ملکی قانون کو اقلیت کے مسلک اور نظریے کے مطابق بنائیں تو یہ اکثریت کے حقوق پر ایک شدید ظلم اور زیادتی کے مترادف ہوگا۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے مسیحی برادرانِ وطن نے بھی یہ مطالبہ کیا ہے کہ بلاامتیاز تمام معاملات میں شرعی احکام کو اُن پر بھی نافذ کیا جائے اور اس بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ط (المائدہ ۵:۴۴) ''پس، تم مت ڈرو لوگوں سے بلکہ ڈرو مجھ سے اور مت لو میری آیات کے عوض حقیر قیمت''۔

● دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ ''اسلامی قوانین کا اجرا عملاً ناممکن ہے''۔ مثلاً یہ کہتے ہیں کہ ''ہم سود کا خاتمہ کیسے کرسکتے ہیں، جب کہ ہم بین الاقوامی اقتصادی نظام کی جکڑبندیوں میں بندھے ہوئے ہیں؟'' لیکن یہ اعتراض بھی بالکل بے اصل ہے، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بعض مضبوط عزائم کی حامل قوموں نے اپنے لیے مخصوص طور پر منفرد معاشی نظام وضع کیے ہیں اور ساری دنیا کو مجبور کردیا ہے کہ وہ ان کا احترام کریں۔ اس معاملے میں فیصلہ کن شے حکومت کی قوتِ ارادی

اورقوم کی عملی استعداد ہے۔ اس بارے میں ہماری راہ میں اصل رکاوٹ صرف عزم کی کمزوری اور موہوم خطرات کا بے جا خوف ہے۔ ہماری قوم اللہ کے فضل سے ہر مشکل کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ ہم زندگی کی جملہ ناگزیر ضروریات خود پیدا کرسکتے ہیں اور اس بارے میں ہمیں اغیار کا دستِ نگر بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہمارے ارادے مضبوط ہوجائیں تو ہم اقوامِ عالم کے علی الرغم اپنے مالی نظام کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہے کہ اٹلی پر ایک وقت ایسا آیا تھا، جب اُس پر چاروں طرف سے ۵۲/اقوام نے یورش کر دی تھی اور ان میں دنیا کی طاقت ور ترین سلطنتیں بھی شامل تھیں۔ انھوں نے مل کر اٹلی پر تاوان عائد کیے تھے، لیکن آخرکار اٹلی کی عزیمت کے سامنے ان سب کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا، اور قومی غیرت کے سامنے بندوق اور تلوار کی کچھ پیش نہ گئی۔ اسی طرح آپ کو معلوم ہے کہ [جرمن نسل پرست] ہٹلر نے یہ فرمان صادر کر دیا تھا کہ ''جرمنی کا سونا اور سکّہ جرمنی سے باہر نہیں جائے گا''۔ کیا اس سے دوسرے ممالک کے ساتھ جرمنی کا لین دین ختم ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں، بلکہ دوسری قوموں نے اس فیصلے کا احترام کیا، اور مبادلے کے اصول پر جرمنی سے معاملہ کرنا شروع کر دیا۔

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ دونوں قومیں طاقت ور تھیں اور ہم کمزور ہیں۔ اس طرح کے معاملات میں فوج کشی اور لشکر آرائی تک نوبت شاذ و نادر ہی پہنچتی ہے۔ خرید و فروخت اور لین دین کے مسائل میں کوئی قوم خواہ کتنی ہی ضعیف کیوں نہ ہو، وہ اس میدان میں بالکل آزاد ہے بشرطیکہ وہ یکسو ہوکر اپنے مطمح نظر کو واضح کر دے اور پھر ثابت قدمی کے ساتھ اپنے موقف پر جم جائے۔

دوسری قومیں تو صرف یہ چاہتی ہیں کہ ہم اُن کے ساتھ شریف لوگوں کا سا معاملہ کریں۔ ہمارا مشاہدہ ہے کہ قرض کا کاروبار کرنے والے بہت سے بنک اور دوسرے ادارے برابر کے لین دین پر رضامند ہوجاتے ہیں، بشرطیکہ ادائیگی یقینی ہوجائے۔ اس لیے ایک طرف اگر ہم سود کو قانوناً ممنوع قرار دے دیں اور دوسری طرف واجبات کی پوری پوری ادائیگی کا شدت سے اہتمام کریں، تو دوسری حکومتیں اس پر راضی ہوجائیں گی اور ادائے حقوق کی ضمانت کے بعد وہ سودی لین دین پر اصرار نہیں کریں گی، خصوصاً، جب کہ انھیں بتایا جائے گا کہ سود تمام مذاہبِ عالم کے نزدیک حرام ہے۔ آخر کیوں نہ مصر کو اس شرف میں سبقت حاصل ہو کہ وہ دنیا کو سود کی لعنت اور خباثت سے نجات دلانے

کی جدوجہد کرے اور کیوں نہ مصری حکومت نوعِ انسانی کے لیے اس نوید رحمت کی پیامبر ثابت ہو؟

ایک زمانہ تھا کہ یورپ کی قومیں انسانی خرید وفروخت کو اپنی تہذیب و معاشرت کے لیے بالکل اسی طرح ضروری سمجھتی تھیں، جس طرح آج وہ سود کو سمجھتی ہیں۔ انھی میں سے بعض نے اس کاروبار کو ختم کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ اور آخر کار دوسری قوموں نے بھی اس کی نامعقولیت کو تسلیم کیا، اور ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ کل اگر بردہ فروشی کے خلاف علَم بلند کیا جاسکتا تھا تو آج کیا سود کے خلاف جہاد نہیں کیا جاسکتا؟ اس میں آخر خوف و یاس ہمیں کیوں لاحق ہو؟ کیا ہم انسانیت کی خدمت سے بالکل عاجز ہو چکے ہیں؟ حالانکہ کل تمام دنیا میں علم و عرفان کی روشنی پھیلانے والے ہم ہی تھے۔ یہ محض شاعری یا خیال آرائی نہیں ہے، بلکہ یہ حقائق ہیں جنھیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔

اگر ہم سود کو ترک کر دیں تو یہ امر ہماری اقتصادی خودمختاری کا باعث ہوگا اور ہماری قوم جو اغیار کے سہاروں پر جینے کی عادی ہوچکی ہے، اس میں خود اعتمادی، عزّتِ نفس اور دوسروں سے بے نیازی کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور قیمتی موقع آخر کون سا ہوگا۔ ہماری قوم ایک دینی مزاج رکھتی ہے اور اسے متحرک اور آمادۂ عمل کرنے کے لیے دینی عوامل سب سے زیادہ کارگر ہوسکتے ہیں۔ سود کی تحریم سے ایک فائدہ یہ بھی حاصل ہوگا کہ ہماری غریب قوم انسانیت کے قاتلوں، سودخوار لٹیروں اور قزاقوں سے گلوخلاصی حاصل کرلے گی۔

● ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ''اگر شرعی قوانین کا نفاذ عمل میں لایا گیا، تو چوروں کے ہاتھ کٹنے شروع ہوجائیں گے اور زانیوں کو سنگسار کیا جایا کرے گا۔ ہماری قوم دورِ وحشت کی طرف لوٹ جائے گی، ترقی کی رفتار رُک جائے گی اور ہمارا شمار غیرتہذیب یافتہ قوموں میں ہونے لگے گا''۔

یہ اعتراض بھی بالکل بے حقیقت ہے، اور دراصل یہ ایسے افراد کے ذہن کی پیداوار ہے جو اجتماعی نظم کو درہم برہم کرنے کے درپے ہیں اور زندگی کے ہر گوشے میں مطلق اباحیت اور بے قیدی کے خواہش مند ہیں۔ وہ دوسروں کی جان و مال اور عزت و ناموس پر ہاتھ ڈالنا چاہتے ہیں اور اس اندیشے نے ان کی نیند حرام کررکھی ہے کہ کہیں اسلام کی قربان گاہ پر سب سے پہلے انھی کی خواہشات کو بھینٹ نہ چڑھا دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ جرائم کی کثرت کو تمدن وارتقا کی علامت قرار دے دینا صحیح ہے اور نہ

اُس قانون کو رجعت پسندانہ اور سنگ دلانہ سمجھ لینا درست ہے، جو جرائم وفواحش کا استیصال کرے۔ ایسا قانون توتہذیب وترقی کا عین مظہر ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ ان فاسد افکارونظریات کو ختم کیا جائے۔ مصلحین اسلام کے لیے یہ موقع شرمانے کا نہیں بلکہ آگے بڑھ کرکام کرنے کا ہے۔ آج کل نظریات میں قانون کی ہمدردی مجرم کے حق میں زیادہ اور معاشرے کے حق میں کم تر ہوگئی ہے۔ مجرم کے ساتھ سختی کے بجاے نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہولناک جرائم چاروں طرف پھیل چکے ہیں اور پھیل رہے ہیں۔ ان کے مقابلے میں قانون بالکل عاجز اور بے بس ہے۔ قومی کمائیوں اور محنتوں کا بیش تر حصّہ پولیس، قیدخانوں اور عدالتوں میں صرف ہورہا ہے، لیکن کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ہورہا۔ اس وقت فلسفۂ جرم سے متعلق خوش نما بحث اور بے فائدہ استدلال کی اتنی ضرورت نہیں ہے، جتنی ضرورت جرم کے عملی سدباب اور روک تھام کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ’’اسلامی قوانین کے نافذ کرنے میں ایک عملی مشکل یہ ہے کہ ایسی جامع شخصیتوں کا ملنا محال ہے، جو بیک وقت اسلامی علم وعمل سے آراستہ ہوں۔ حاملینِ دین قانون کی تدوین وتنفیذ کے جدید تقاضوں سے بےخبر ہیں اور قانون دان دین کا علم نہیں رکھتے اور جب تک مردانِ کار پیدا نہ ہوں، اسلامی قانون کو مفید اور مناسب شکل میں کیسے رائج کیا جاسکتا ہے؟‘‘

لیکن یہ شبہہ بھی بےبنیاد ہے اور اس مشکل پر قابو پالینا بالکل آسان ہے۔ اللہ کے فضل سے ایک طرف ہمارے علماے دین میں بہت سے حضرات ایسے ہیں، جن کی جدید قانون پر بھی وسیع نظر ہے، اور دوسری طرف ہمارے ہاں قانون کے بہت سے ماہرین ایسے موجود ہیں، جنھیں اسلامی فقہ وتشریع سے پورا پورا شغف ہے، اور جنھوں نے اس سلسلے میں بڑی محنت سے اسلامی اور غیراسلامی قانون کا تقابلی مطالعہ کیا ہے اور اپنی تحقیق کے نتائج ہمارے سامنے پیش کیے ہیں۔

پھر ایک اعتراض ایسا بھی وارد کیا جاتا ہے جو خالص مادی نقطۂ نظر اور شخصی مصالح اور تعصب کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کہ ’’شرعی قانون پر اصرار کرنے والے درپردہ عدالت ہاے شرعیہ پر قابض ہونا چاہتے ہیں اور ان کے ارادے یہ ہیں کہ عدالتوں میں کام کرنے والوں کی کثیر تعداد کو بالکل بےکار وبےروزگار بنادیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ ایک خاص گروہ سارے عدالتی مناصب سنبھال لے، اور دوسروں کو ان سے بالکل محروم کردے۔ عدالتوں کا نظام بہت وسیع، دقیق اور ہمہ گیر ہے۔

یہ کس طرح ممکن ہے کہ شرعی عدالتوں کے چند جج ایسی کٹھن ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہوسکیں؟''

یہ اعتراض بھی بالکل لغو، مہمل اور پوچ ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ ایک خاص قسم کا علم کیا کسی خاص طبقے کی نسلی میراث ہے؟ کیا ہر ذہین آدمی کی رسائی ہر علم و فن تک نہیں ہوسکتی؟

ہمیں اس بارے میں مکمل اطمینان ہے کہ دونوں قسم کی عدالتوں کے مجسٹریٹ اور جج صاحبان اگرچہ چند ماہ بھی باہمی تدریس و تربیت پر صرف کریں تو وہ قانون کے سارے شعبوں پر حاوی ہوجائیں گے۔ آدمی جس راہ پر بھی پیش قدمی کرنے کا پختہ ارادہ کرلے، تو وہ راہ اس کے لیے ہموار ہوجاتی ہے۔ ہم کسی بھی فرد یا گروہ کی بے جا طرف داری یا عداوت میں مبتلا نہیں ہیں۔ ہم تو اس تفریق اور دوعملی کو سرے سے مٹا دینے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سیکولر اور شرعی امتیازات یکم قلم ختم کر دیے جائیں اور عدالت کا ایک کُلّی اور وحدانی نظام قائم کیا جائے اور اُس کے لیے اصل بنیاد اور ماخذ شریعت الٰہی کو قرار دیا جائے۔

یہ چند شبہات جو میں نے آپ کے سامنے رکھے ہیں اور ان کے مختصر جوابات بھی دے دیے ہیں، جن سے بآسانی اندازہ ہوجاتا ہے کہ قانونِ شریعہ کے نفاذ سے متعلق جن شکوک و شبہات کا اظہار کیا جاتا ہے، وہ کتنے بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ یہی حال ہر اس اعتراض کا ہوتا ہے جس کی پشت پر نفسانی اغراض اور حق سے اعراض کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔

الاخوان المسلمون کا مطالبہ یہ ہے کہ ہماری حکومت، شریعت اسلامیہ کی طرف لوٹے اور مصری قانون کے نظام کو فوراً شریعت کی بنیادوں پر استوار کرے۔ ہم ایک مسلم قوم ہیں۔ ہم نے عزم کرلیا ہے کہ ہم صرف اللہ کے قانون، قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حکمرانی اور بالادستی تسلیم کریں گے، خواہ اس کی بھاری سے بھاری قیمت بھی ادا کرنا پڑے اور بڑی سے بڑی قربانی بھی پیش کرنا پڑے۔ ایک آزاد اور خودمختار مسلمان قوم ہونے کی حیثیت سے یہ ہمارا فطری حق ہے، اور سیاسی و اجتماعی شوکت و استقلال کا کوئی دوسرا مظہر اس کا بدل اور قائم مقام نہیں ہوسکتا۔ آپ بھی اس حق کے حصول میں ہماری مدد کیجیے۔ اس صورتِ حال کو بدلنے کی کوشش کیجیے اور قوم کو مجبور نہ کیجیے کہ وہ کسی ایسے راستے پر پڑ جائے جس پر مایوسی کی حالت میں قومیں پڑ جایا کرتی ہیں۔